

حُبِّ دُنْيَا

خُرَّم مُرَاد

منشورات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

عَنْ أَبِي عَبْدِ السَّلَامِ، عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُوشِكُ الْأَمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا. فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قَلْبَةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غَفَاءٌ كَغَفَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عِدْوِكُمْ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْفِذَنَّ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ"

(رواه ابوداؤد، ج ١٦ ص ١٦٥)

نبی اکرمؐ نے اپنی امت کو اللہ کی کتاب پہنچائی اور خود اس پر عمل کر کے یہ بتایا کہ زندگی بسر کرنے کا صحیح راستہ کیا ہے اور اس امت سے وابستہ لوگوں کو اپنی زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے مختلف ارشادات میں اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ آنے والی امت کو کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔ جو امراض پیدا ہوں گے، جو خرابیاں پیدا ہوں گی ان کا سبب کیا ہوگا اور ان کا علاج کیا ہے۔ آج جو حدیث میں آپ کے سامنے رکھنے والا ہوں، وہ اسی موضوع پر ہے۔ آپ محسوس کریں گے کہ گویا اس کے اندر آج کے زمانے کی تصویر کھینچ دی گئی ہے۔

حضرت سوادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: بہت قریب ہے کہ بہت ساری قومیں آپس میں ایک دوسرے کو تمھارے خلاف بلائیں گی جس طرح کھانے والے

ایک دوسرے کو اپنے دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم تعداد میں کم ہوں گے اور اس دن ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، تم اس روز تعداد میں بہت زیادہ ہو گے لیکن تم اس جھاگ کی طرح ہو گے جو پانی کے اوپر یا دریا اور سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل میں سے تمہارا خوف، بیعت اور رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں کے اندر وہن ڈال دے گا۔ ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

اس روایت کو ابوداؤد نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اس حدیث پر آپ غور کریں۔ پہلے تو آپ نے تصویر کھینچی ہے اور فرمایا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب دنیا کی قومیں تمہارے خلاف ہو جائیں گی۔ صرف جمع ہی نہیں ہو جائیں گی بلکہ ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ وہ تمہارے خلاف لڑائی لڑیں اور تمہیں کمزور کریں۔ اس کی مثال آپ نے اس طرح دی کہ جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ جب کھانا لگ جاتا ہے تو دوسروں کو کہتے ہیں کہ آئیے بیٹھیے کھائیے۔ تمہاری حالت بھی اس دسترخوان کی سی ہو جائے گی اور تم دوسری قوموں سے ڈرنے والے بن جاؤ گے۔

جب یہ تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو ظاہر کی نظر تو یہی سوچ سکتی ہے کہ اس کی کوئی مادی وجہ ہوگی۔ چنانچہ ایک پوچھنے والے نے پوچھ لیا کہ کیا یہ تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا کہ ہم اس دن اس حالت کو اس طرح پہنچ جائیں گے۔ اس زمانے

محب دنیا

میں تعداد ہی پر اصل قوت کا انحصار تھا۔ لڑائی میں بھی فوجوں پر انحصار ہوتا تھا۔ قوموں کے غلبے اور برتری میں بھی تعداد پر انحصار ہوا کرتا تھا۔ اسی لیے مال اور بیٹے ان دو کا ذکر قرآن مجید نے بار بار کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ تعداد سے مراد یہاں نفی نہیں ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا سوچیں تو اس کے اندر ہر قسم کے مادی وسائل شامل ہیں۔ کیا ہمارے پاس مال کی کمی ہوگی؟ اس لیے کہ جس وقت یہ بات کہی جا رہی ہے اس وقت تو مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور مال بھی نہیں تھا اور دنیاوی وسائل بھی نہیں تھے اور ساز و سامان بھی نہیں تھا اور اسلحہ اور قوت بھی نہیں تھی۔ پوچھا: کیا ہم کم ہو جائیں گے؟ قلت میں تعداد کے ساتھ ساتھ ہر چیز کی قلت شامل ہے۔ نبی کریم نے اس کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ دنیا کی قومیں تمہارے اوپر اس وجہ سے نہیں ٹوٹ پڑیں گی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ تم قوت میں، تعداد میں بہت کم ہو گے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہوگی۔ تمہاری تعداد بھی زیادہ ہوگی، تمہاری قوت بھی زیادہ ہوگی، مال اور اسباب بھی تمہارے پاس ہوگا، کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی لیکن اتنی بڑی تعداد کے باوجود اور ساری مادی قوت کے باوجود ہوائی جہاز بھی ہوں گے، ٹینک بھی ہوں گے، توپیں بھی ہوں گی، پٹرولیم بھی ہوگا، ان سب کے باوجود تمہارا وزن اس طرح ہوگا جس طرح پانی کے اوپر جھاگ ہوتا ہے۔ جھاگ کا وزن نہیں ہوتا۔ بظاہر دیکھنے میں تو بہت نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر کوئی صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ وہ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اللہ تمہارے دشمنوں کے اور سے تمہارا خوف، تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت

سب کچھ نکال دے گا۔ دشمن تم سے ہرگز نہیں ڈریں گے اور جس طرح چاہیں گے تمہارے خلاف سازشیں کریں گے۔ جس طرح چاہیں گے تمہیں اپنا آلہ کار بنائیں گے۔ جس طرح چاہیں گے تمہارے مال و اسباب کو کھائیں گے، تمہارے وسائل کے اوپر قبضہ کریں گے۔ دشمن تم سے نہیں ڈرے گا۔ تمہاری تعداد اور اسلحے کے باوجود اس کے دل میں تمہارا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ نبی کریمؐ نے وہن کا لفظ استعمال کیا۔ وہن کے معنی کمزوری کے ہوتے ہیں۔ ایک صحابی نے سوال کر دیا کہ وہن کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

اس حدیث پر آپؐ غور کریں تو آپؐ کو نظر آئے گا کہ آج واقعی ہماری حالت یہی ہے اور آج ہی نہیں ہے، تقریباً ڈیڑھ سو سال سے یہی حالت ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک دفعہ اسی طرح کی حالت ہو چکی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب منگول اٹھ کر آئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں سے مل کر اور کبھی ان کو اپنا آلہ کار بنا کر ان کی قوت کے بل پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کیا، ان کی آبادیوں کو تخت و تاراج کیا، ان کی تلوار سے ان کی گردنیں کاٹیں، سروں کے مینار تعمیر کیے۔ مسلمانوں کی تہذیب اور تمدن کے بڑے بڑے عالیشان مراکز تھے، کسی چیز کی کمی نہیں تھی، سب تباہ کر دیے۔ ۱۲۵۸ء میں بغداد پر ہلاکو خان کے قبضے کے بعد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی، کتب خانے جلا دیے گئے، یونیورسٹیاں جلا دی گئیں، اتنے لوگ قتل کیے گئے کہ دریائے دجلہ کا پانی خون سے سرخ ہو گیا۔ تاتاریوں کا بغداد کے

اور قبضہ مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ شمار ہوتا ہے۔

جب مغربی اقوام انھیں تو دوسرا دور آیا۔ انڈونیشیا، ملائیشیا، مراکش، تیونس، الجزائر، ہندوستان، اردن کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو ان کے غلبے سے بچ گیا ہو جس کے وسائل پر انھوں نے قبضہ نہ کر لیا ہو۔ انگریز اور فرانسیسی اور ولندیزی سب آپس میں مل گئے اور انھوں نے مسلمانوں کی تباہی مچائی۔ آپ نے جو تصویر کھینچی ہے، یہ آج کے دن کی نہیں ہے، بلکہ ایسے دور پہلے بھی آئے ہیں اور اب بھی آیا ہوا ہے۔ اب بھی آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کے لیے اور انھیں ذلیل کرنے کے لیے پوری دنیا ایک ہو گئی ہے۔ اتنی بڑی تعداد کے باوجود کہ ایک ارب سے زائد مسلمان ہیں، پورے اس کرہ ارض پر جتنے لوگ بھی چل پھر رہے ہیں، اس میں ہر پانچواں آدمی مسلمان ہونے کا دعوے دار ہے، کلمہ پڑھتا ہے، اللہ کے رسول پر ایمان کا بھی مدعی ہے۔ مسلمان ممالک میں ۹۰ کروڑ ہیں اور ان کی اپنی حکومتیں ہیں اور ۴۰ کروڑ اقلیت کی حیثیت سے دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں۔ آج مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر آپ ان کی فوجوں کو جمع کریں، ان کے ٹینکوں کو جمع کریں، ان کے ہوائی جہازوں کو جمع کریں، تو تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم تعداد میں بہت زیادہ ہو گے، اس کے باوجود دشمن کے دل پر تمہارا کوئی رعب اور ہیبت نہیں ہوگی۔ تمہارے خوف سے کوئی رے گا نہیں، ڈرے گا نہیں کہ تمہارے اوپر حملہ نہ کرے اور تمہیں نقصان نہ پہنچائے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم وہن کا شکار ہو گے اور وہن کی تعریف آپ نے فرمائی: دنیا کی محبت اور موت کا خوف۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ

تصوف سے اور اخلاقی روحانی اصلاح سے تعلق رکھتی ہے۔ اس بات کا تعلق قوموں کی ذلت اور عزت کے ساتھ ان کی شکست اور فتح کے ساتھ اور دنیا میں ان کے مقام سے کیا ہو سکتا ہے؟

اصل میں یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ قوموں کی زندگی اور عروج اور زوال کا انحصار مادی چیزوں اور مادی عوامل پر بالکل نہیں ہے اور نہ ہی ان کی تعداد پر ہے۔ جہاں تک بغداد کا تعلق ہے تو مسلمانوں نے خود دیکھا ہے کہ عرب سے نکل کر آئے تو ایک سو کے مقابلے میں دس بھاری ہوتے تھے۔ غلبے کا انحصار اسلحہ پر بھی نہیں ہے، مسلمانوں کے پاس کوئی ایسا اسلحہ نہیں تھا جو رومیوں اور ایرانیوں کے پاس تھا۔ اس کے باوجود وہ کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد بھی تاریخ مناظر پیش کرتی رہی ہے کہ تھوڑی تعداد بڑی تعداد پر غالب آگئی۔ اصل چیز جو قوموں کو عزت اور بلندی کی ضمانت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ مقصد حق ہو۔ کوئی مقصد ہو، اس کے ساتھ ان کو محبت ہو، اس کو وہ اپنا مقصد سمجھیں، اس کے لیے وہ جدوجہد کرنے کے لیے تیار ہوں، ضرورت پڑے تو دنیا کے نفع کے اوپر ترجیح دینے کو تیار ہوں، اس کے لیے اپنی جانیں بھی دینے کے لیے تیار ہوں، موت سے نہ ڈریں۔ جس قوم کے اندر کسی مقصد کی یہ محبت پیدا ہو جائے اور وہ اس کی خاطر دنیا کے ہر نفع کو ترک کر دے اور موت کے منہ میں جانے کو تیار ہو جائے، تو وہ کوئی بھی قوم ہو، کوئی بھی مقصد ہو، اگر وہ اپنے مقصد سے محبت رکھتی ہوگی، اس کے لیے جان قربان کرنے کو تیار ہوگی، اس کے لیے دنیاوی تکالیف اٹھانے کو تیار ہوگی تو اس قوم کو اللہ تعالیٰ دنیا کے

محبت دنیا

اندر غالب کرے گا اور عزت دے گا۔ اور جس کے اندر سے یہ چیزیں نکل جائیں تو پھر اس کا کوئی مقام باقی نہیں رہتا۔

انسان کے جسم میں جب تک روح ہے اس کی سانس آتی ہے اور جاتی ہے وہ چل پھر سکتا ہے اپنے کام کر سکتا ہے تجارت کرتا ہے کاروبار کرتا ہے ملازمت کرتا ہے اور بے شمار کام کرتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک سانس کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس سانس کا آنا جانا بند ہوا اور روح نکل گئی تو بظاہر وہ جسم تو ایسے کا ایسا ہی رہتا ہے لیکن اس کی ساری طاقت، صلاحیت اور استطاعت ختم ہو جاتی ہے۔ وہی ہاتھ اور پاؤں وہی دماغ، وہی زبان ہر چیز موجود ہے لیکن بے حس و حرکت، کوئی جو چاہے اس مردہ جسم کے ساتھ کر سکتا ہے۔

اسی طرح قوموں کی اپنے مقصد سے محبت جسم میں روح کی طرح ہے۔ زندگی اور عروج اس سے وابستہ ہے۔ اقبال نے کہا ہے کہ: مقصد کے لیے جدوجہد کرنے کا جذبہ قوموں کی زندگی کی جڑ ہے اور یہ آرزو کے اندر پوشیدہ ہے۔ آرزو کیا ہے؟ کچھ کر جانے کا عزم کہیں پہنچ جانے کی تمنا کسی کو حاصل کر لینے کا جذبہ۔ تو آرزو کے اندر زندگی کی جڑ پوشیدہ ہے اور اس آرزو کے لیے جستجو ضروری ہے۔ جستجو کے معنی جہاد اور کوشش کے ہیں اس کے لیے دنیا کے نقصان اٹھانے اور اپنی جان قربان کرنے تک دنیا کی محبت اتنی غائب نہ ہو کہ مقصد نگاہوں سے غائب ہو جائے۔ قوموں کی زندگی کی جڑ جو اس کی روح اس کی اصل ہے ان دو چیزوں کے اندر ہے: ایک آرزو اور ایک جستجو، ایک مقصد اور ایک اس کے لیے جہاد۔ ایک نصب العین اور اس کی محبت اور ایک اس کے لیے

قربانیاں دینے کا جذبہ۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے قومیں دنیا میں غالب ہوتی ہیں، زندہ رہتی ہیں، دوسروں پر ان کی ہیبت اور رعب بیٹھتا ہے۔ دوسروں کو جرات نہیں ہوتی کہ تھوڑی تعداد کے باوجود ان کے اوپر رعب ڈالیں یا ان کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھیں یا ان کو نقصان پہنچائیں۔

شروع میں مسلمانوں کا یہی حال تھا، ان کی تعداد زیادہ نہ تھی، ان کے پاس اسلحہ نہ تھا۔ ان کے پاس وہ ساز و سامان نہ تھا جو قیصر و کسریٰ کے پاس تھا لیکن وہ اپنے مقصد سے محبت کی خاطر قربانی دینے کو تیار تھے۔ وہ مقصد بھی حق تھا، اس لیے مزید قوتیں ان کا پورا ساتھ دے رہی تھیں۔ انھوں نے تھوڑے عرصے میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنا پیغام پہنچا دیا اور ان کو اپنے دین کے تحت لے آئے۔ انھوں نے یہ سارا کارنامہ صرف اپنے ایمان اور اپنے مقصد سے محبت کے بل پر اور اس کے لیے جہاد کے جذبے سے سرانجام دیا۔ اگر مسلمانوں کا مقابلہ کافر قوموں سے ہو تو کافر قوموں کا مقصد باطل ہے لیکن انھما اس پر ہوگا کہ اپنے مقصد کے لیے کام کرنے کا جذبہ کتنا ہے، اپنے مقصد کے لیے جانیں دینے کا جذبہ کتنا ہے اور اپنے مقصد کے لیے دنیا کی تکالیف برداشت کرنے کا جذبہ کتنا ہے۔ اگر مقصد غلط بھی ہوگا لیکن جذبے کی یہ قوت ہوگی تو کافر ہونے کے باوجود دنیا کا انتظام اسی کے سپرد کیا جائے گا۔

آپ مسلمانوں کے حال پر غور کریں۔ آخر اس کی ضرورت کہاں پڑتی ہے کہ آدمی موت سے نفرت اور کراہت نہ کرے، موت کے منہ میں جانے سے نہ ڈرے اور دنیا کے اوپر اس چیز کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنی کتاب سپرد فرمائی

حُبّ دنیا

ہے۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا، اس کے ساتھ کتاب اتاری، اس میں اس کا مقصد یہی بتایا کہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحديد ۵۷: ۲۵) ہم نے رسول بھیجے اور ان کے ساتھ واضح کھلی آیات، نشانیاں اور زندگی بسر کرنے کا راستہ بھیجا اور کتاب اتاری، ایسی کتاب جو میزان یعنی ترازو کا کام کرتی ہے اور تول کر بتاتی ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے، کس عمل کا کتنا وزن ہے، کس نیت کا کتنا وزن ہے۔ دنیا کے اندر ان اعمال کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے اور آخرت میں کیا ہونے والا ہے۔ یہ کتاب ہم نے اس لیے اتاری ہے کہ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں۔ پھر آگے فرمایا وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ اور ہم نے لوہا بھی اتارا۔ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ، اس لوہے میں لڑائی کا بھی سامان ہے، قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے نفع ہیں۔ اس سے پل بنتے تھے، اس سے کھیتی ہوتی تھی، اسی سے کارخانے بنتے تھے، اس سے بہت کچھ بنا رہا ہے اب بھی بنتا ہے۔ فرمایا: وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آزماتے، اس بات کو جانچے، اس بات کو ظاہر کر دے کہ کون ہے جو اللہ کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

اس امت کا جو مقصد اور نصب العین ہے، جس کے لیے اس کو جینا اور مرنا چاہیے، جس کی محبت غالب ہونی چاہیے وہ تو اللہ اور اس کے رسول کی نصرت اور مدد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا پرکشش انداز بیان

اختیار کیا، ورنہ اصل مدد تو انسان خود اپنی کرتا ہے تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہوں۔ اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے نہ اس کے رسول کو اس کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ اسی لیے اس آیت کے آخر میں کہا کہ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ اللہ تعالیٰ تو خود ساری طاقتیں رکھتا ہے اور ہر چیز پر غلبہ رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو چشمِ زدن میں دنیا کے اندر اس کا دین غالب ہو جائے۔ صرف ایک ٹکٹن کہنے کی دیر ہے کہ سارے لوگ درست ہو جائیں اور انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں۔ لیکن آزمائش تو زندگی کا مقصود ہے۔ اسی سے گذر کر لوگ زندگی کے اندر جنت کا راستہ بناتے ہیں۔ اور اللہ سے قرب کا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ اسی جہاد کے ذریعے وہ اللہ کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا کے مال و اسباب سے اور دنیا کے اندر حکومت اور غلبے اور عزت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو آزمائے سب کو دیکھ اور جانچ پرکھ لے، کون سی قوم اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے والی ہے۔ اور اگر آپ اپنی مدد کریں، اللہ کے دین کے لیے اسے غالب کرنے کے لیے کام کریں تاکہ لوگ انصاف کے اوپر قائم ہو جائیں تو اللہ نے اس کو اپنی مدد قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن نے کہا ہے کہ مَكُونُوا اَنْصَارَ اللّٰهِ۔ اللہ کے مددگار بن جاؤ، یعنی اللہ کی راہ میں اپنی جان سے اور اپنے مال سے جہاد کرو۔ جو قوتیں اللہ نے دی ہیں، وہ اس راہ میں لگا دو اور جان کو بھی لگا دو۔ یہ ترقی اور عزت کا راستہ ہے۔

اس امت کا مقصد یہ تھا کہ وہ انصاف کے اوپر اللہ کے واسطے گواہ بن کر کھڑی ہو، یہ گواہی کسی کے بھی خلاف جائے، اپنے خلاف جائے، رشتہ داروں کے خلاف جائے

محب دنیا

امیر کے خلاف جائے، غریب کے خلاف جائے۔ انصاف کے اوپر قائم رہو۔ دوست کا معاملہ ہو، دشمن کا معاملہ ہو ہر معاملے میں انصاف کے اوپر قائم رہو۔ سارے انسانوں کے معاملات قسط یعنی انصاف کے ساتھ کرو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر چل کر یہ امت دنیا میں غلبہ اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔

اسی آیت کے پہلے حصے میں اللہ نے دعوت دی ہے کہ دوڑو ایک دوسرے مسابقت کرو آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اس لیے نہیں کہ ہمارے پاس دنیا کا مال و اسباب زیادہ ہو جائے، زینت زیادہ ہو جائے۔ یہ سب تو فنا ہونے والا ہے۔ سابقوا ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ اور سارے عورتی کے ساتھ بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف، جس کی وسعت زمین اور آسمان کے برابر ہے۔ یہ بالکل اس آیت سے متصل ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب اس لیے اتاری رسول اس لیے بھیجے، میزان اس لیے اتاری کہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔ اور لوہے کی قوت اس لیے دی کہ جب قوت کی ضرورت ہو تو لوگ قوت کو استعمال کریں۔

جب بھی یہ مقصد نگا ہوں سے اوجھل ہو گیا اور امت بھول گئی کہ یہ امت کس لیے بنی ہے اور جب بھی اس مقصد کی محبت دلوں سے اتر گئی، اس پر دنیا کی محبت غالب ہو گئی اور لوہے کی قوت کو استعمال کر کے قربانی کی جو ضرورت تھی اسے ترک کر دیا تو دنیا میں ذلت و مسکنت حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مال کا، کھیتی باڑی کا ان سب کا نقصان ہوگا، بھوک سے اور خوف سے اور ڈر سے ضرور آزمایا جائے گا۔ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ: اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بیویاں اور تجارتیں اور مکانات ان میں سے کوئی چیز تمہیں اللہ سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے تو پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو جو شکست اور مغلوبیت کی صورت میں تمہارے اوپر آئے گا۔ جب بھی ایسا ہوا تاریخ میں مسلمانوں کو اس کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اگر ڈیڑھ سو سال پہلے مغرب کی قومیں انھیں اور بھوکوں کی طرح مسلمانوں کے دسترخوان پر گر گئیں اور ان کے وسائل و ذرائع لوٹ کے غلام بنایا، ذلیل کیا، تعلیم کو بدلا، قوموں کو اپنے مقصد سے غافل کر دیا اور سب کو تقسیم کر کے لڑا کے یہاں سے وہ چلے گئے۔ بظاہر تو چلے گئے لیکن ان کے پنجے اب بھی گڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریز، انڈونیشیا میں ولندیزی اور الجزائر میں فرانس نے یہی کیا۔ یہ سب اسی لیے ہوا کہ یہ امت اپنے مقصد سے غافل ہو گئی اور اس کو بھول گئی۔ اس امت کا جواز صرف یہ ہے کہ وہ اسلام کے لیے جدوجہد کرنے کو تیار ہو، اس کے لیے قربانیاں دینے کو تیار ہو اور اس کے لیے موت کے منہ میں جانے کو تیار ہو، زندگی کو اس مقصد سے زیادہ محبوب اور عزیز نہ رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے لیے بیان فرمایا ہے اور جو فی الحقیقت اس پوری امت کا مقصد ہے اور جس کے ساتھ اس امت کی زندگی وابستہ ہے۔

اس حدیث کا اصل مطلب تو یہ ہے کہ یہ امت اپنے مقصد کے لیے جدوجہد کرنے میں مقصد سے زیادہ دنیا سے محبت کرنے لگے گی تو اس امت کا یہ حال ہو جائے گا کہ دنیا کی ساری قومیں ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ آؤ دسترخوان بچھا ہوا ہے اور بھوکوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑیں گی۔ سو ارب کی تعداد کے باوجود اسلحے کے

حُبّ دنیا

ذخائر ہونے کے باوجود ہزاروں ہوائی جہاز اور ٹینک رکھنے کے باوجود وہی حال ہوگا جیسا نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جس طرح پانی کے اوپر جھاگ ہوتا ہے۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں تمہارا رعب ہوگا نہ ہیبت ہوگی نہ خوف ہوگا اور وجہ تمہارے دل کی یہی بیماری ہوگی۔ اس کی وجہ سے تم اپنے مقصد کے لیے کوئی بھی قربانی دینے سے عاجز ہو گئے دنیا کی محبت غالب ہوگی اور موت کا خوف بھی ہوگا۔

موت سے کراہت اور دنیا کی محبت وہ چیز ہے جس سے ملت اور قوم اپنے مقصد پر چلنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے اور کہا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم کو من اور سلوئی نہیں چاہیے ہم کو تو کھیتی باڑی چاہیے گیہوں چاہیے دال، پیاز، لہسن چاہیے۔ دراصل جب من اور سلوئی کھا رہے تھے تو زندگی جہاد کی زندگی تھی۔ اپنے گھربار سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کی یہ درخواست کہ من اور سلوئی نہیں چاہیے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ بیٹھیں کھیتی باڑی کریں اپنا گھربسائیں اور اپنے دنیا کے کام کرتے رہیں تو یہ دراصل سخت کوشی کی زندگی سے جو دنیا پر جہاد کو ترجیح دینے کی زندگی تھی فراغت اور جہاد سے فرار کی خواہش کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اچھا تم بس جاؤ شہر بساؤ، تہذیب بناؤ اور پھر فرمایا: ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاؤُوا بِغَضَبِ مِنَ اللَّهِ. ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی ہے اور اللہ کا عذاب ان کے حصے میں آیا۔

آج امت مسلمہ کا بھی یہی حال ہے کہ ہم آرام و سہولت کی زندگی چاہتے

ہیں۔ اگر ہم دنیا میں عزت، سر بلندی اور غلبہ و اقتدار چاہتے ہیں تو ہم کو سعی و جہد کی اور قربانی کی زندگی اختیار کرنا ہوگی۔ ہم دنیا سے محبت نہ کریں، اس کے پیچھے نہ دوڑیں، یہ خود ہمارے قدموں میں آئے گی اور آخرت کی فلاح بھی ملے گی۔

جس حدیث کا مطالعہ کیا گیا ہے اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت قریب ہے کہ بہت ساری قومیں آپس میں ایک دوسرے کو تمہارے خلاف بلائیں گی جس طرح کھانے والے ایک دوسرے کو اپنے دستِ خوان کی طرف بلاتے ہیں۔ کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم تعداد میں کم ہوں گے اور اس دن ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، تم اس روز تعداد میں بہت زیادہ ہو گے لیکن تم اس جھاگ کی طرح ہو گے جو پانی کے اوپر یا دریا اور سمندر کے اوپر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل میں سے تمہارا خوف، ہیبت اور رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں کے اندر وہن ڈال دے گا۔ ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ وہن کیا چیز ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔ (ہرواہ ابوداؤد)

○○○